شخصیات

عظمتِ ٹیپوؒ

علامہ اقبالؒ کی نظر میں

ظفر الاسلام ظفر

مشہور مورخ و مصنف محمود خان محمود بنگلوری اپنی تصنیف صحیفۂ ٹیپو سلطان میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

ٹیپو سلطان کی عظمت کو نمایاں کرنے میں علامہ اقبالؒ نے بھی کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ آپ کی سرنگاپٹم میں تشریف آوری اور اخبار انقلاب لاہور میں آپ کے مضامین اور اس کے بعد جاوید نامہ کی اشاعت نے ملک میں سلطان کی شہرت کو اور وسیع کر دیا۔ مجھے حیرت ہے کہ اس حکیم ملت نے ایک ہی دن میں اپنی روحانی بصیرت سے وہ سب کچھ دیکھ لیا جس کو ہندوستان ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں نہ دیکھ سکا۔ ان آنکھوں نے یہاں دیکھا۔

مشرق اندر خواب و او بیدار بود

علامہ اقبال اولیاء کرام بزرگان دین اور شاہان اسلام کے بہت معتقد تھے۔ اہل اللہ اور مردان خدا سے ارادت مندی و حسن سلوک کا وصف علامہ اقبال کی سرشت میں اسی طرح رچ بس گیا تھا کہ یورپ میں ''شراب علم کی لذت'' سے آشنا ہونے کے باوجود زائل نہ ہو سکا۔ آپ نے ہر اس صوفی با صفا و مرد خدا کی بارگاہ میں بصد عجز سر تسلیم و نیاز خم کیا جس میں ''علم و عمل کا وصف'' ہو۔

زر کیا ہے سر بھی دیدیں گے مریدان باصفا
علم و عمل کا وصف کسی پیر میں بھی ہو

آپ اہل اللہ اور مردان خدا کے مقبروں کی زیارت کو ''دل کی زندگی'' سے تعبیر کرتے تھے۔ آپ کا زندہ و بیدار دل ''یاد عہد رفتہ'' سے معمور تھا۔ ''اپنے شاہوں'' کی پرانی داستان سطوت و عظمت کو آپ کبھی فراموش نہ کر سکے۔ شاہی محلات کے ''اجڑے بام و در'' اور کھنڈرات آپ کو اشکباری کے لیے اکساتے تھے۔ ان کے ''گریہ پیہم'' سے آپ کی چشم تر بینا تھی۔

دل ہمارے یاد عہد رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں
اشکباری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بام و در
گریۂ پیہم سے بینا ہے ہماری چشم تر

علامہ اقبال کے 'مرد مومن' کی امتیازی خصوصیات خود آگہی' ایمان و یقین کی گہرائی' جرات و شجاعت' عزم و استقلال' سخت کوشی و خطر پسندی' جذبۂ جہاد' جلالی و جمالی صفات کی موزوں آمیزش بدرجۂ اتم ''شیر میسور'' حضرت ٹیپو سلطان شہید میں پائی جاتی تھی۔ چنانچہ اس مرد مومن کی بارگاہ میں

حاضری کی خواہش آپ کے ذہن وتخیل کو ایک طویل عرصہ تک اسیر کئے ہوئے تھی۔

عبدالواحد بنگلوری نے علامہ اقبال کو بنگلور کی سیاحت کی دعوت دی تو اپنے مکتوب محررہ ۸؍فروری ۱۹۲۳ء میں تحریر فرمایا۔

..... مجھے کسی نے پہلے بھی بتایا ہے کہ بنگلور نہایت خوشگوار مقام ہے۔آپ سے اس کی تصدیق ہوگئی۔ان شاءاللہ میں اس امر کی کوشش کروں گا کہ کچھ عرصہ وہاں گذاروں۔اس کے علاوہ سلطان شہیدؒ سے مجھے ایک خاص عقیدت بھی ہے۔غرض یہ کہ میں آپ کی عنایت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا بشرطیکہ یہاں کے علائق سے نجات مل گئی[۱]۔

انجمن اسلامیہ مدراس کی جانب سے جب علامہ اقبال کو کسی خاص اسلامی عنوان پر خطبات پیش کرنے کی دعوت دی گئی تو آپ نے اسے قبول فرمالیا اور پانچ جنوری ۱۹۲۹ء کو مدراس رونق افروز ہوئے۔دورۂ جنوبی ہند میں حضرت علامہ کے ہمسفر محمد عبداللہ چغتائی اور چودھری محمد حسین تھے۔ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

.....علامہ کے پیش نظر مدراس کی دعوت پر اس لیکچر کے علاوہ میسور میں سلطان ٹیپو شہید کے مرقد کی زیارت بھی تھی۔علامہ اقبال کو سلطان شہید سے بہت لگاؤ تھا کیونکہ سلطان شہید نے حق و باطل کی جنگ میں خود شہید ہوکر نام پیدا کیا تھا[۲]۔

علامہ اقبالؒ کے صاحبزادے جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال سوانح اقبال پر لکھی گئی اپنی معرکۃ الآرا تصنیف زندہ رود میں رقم طراز ہیں۔

ان کے (علامہ اقبال کے) نزدیک اس دعوت کو قبول کرنے کے دو اہم وجوہ تھے۔اوّل یہ کہ جنوبی ہند کے سفر میں وہ سلطان شہید کی تربت کی زیادت کرنا چاہتے تھے اور اس تجربہ سے جو سوز و گداز کی کیفیت ان پر طاری ہوا سے نظم کر کے لافانی بنا دینے کا قصد تھا۔دوم یہ کہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر تمدن اسلام کے بعض نہایت اہم مسائل کے متعلق ہمعصری تقاضوں کی روشنی میں اپنی تحقیقات یا ان پر مبنی اپنے نظریات یکجا کرنا چاہتے تھے۔تاکہ انہیں کتاب کی صورت میں شائع کرا کے دنیا کے سامنے پیش کیا جاسکے.....[۳]

دورۂ جنوبی ہند کے مقاصد کا اظہار خود علامہ اقبال نے اپنے ایک مکتوب بنام محمد صالح انصاری بانی وسیکریٹری مسلم لائبریری بنگلور محررہ ۸؍دسمبر ۱۹۲۸ء میں یوں کیا ہے:

.....افسوس ہے میں جنوبی ہند کا دورہ نظم پڑھنے کے لیے یا لکھنے کے لیے نہیں کر رہا ہوں۔مقصود تعلیم یافتہ مسلمانوں سے مل کر ان کی اسلامیت کا مشاہدہ کرنا ہے اور بعض اہم مذہبی مسائل پر لیکچرز دینا ہے۔یہی لیکچر ممکن ہے بعض ممالک اسلامیہ میں بھی دیئے جائیں۔شاعری کچھ مدت کے لیے ملتوی کی جاسکتی ہے۔اس وقت زمانہ اور طرف بلا رہا ہے بنگلور حاضر ہوں گا۔اس سے مقصود صرف سلطان شہید کے مقبرے کی زیارت ہے اور بس[۴]۔

چہار شنبہ ۹/جنوری ۱۹۲۹ء کی صبح علامہ اقبال اپنے دست راست چودھری محمد حسین اور دیرینہ رفیق ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کی معیت میں مدراس سے بذریعہ ریل بنگلور فروکش ہوئے اور دوسرے دن صبح مہاراجہ میسور شری کرشنا راج وڈیر کی خاص موٹر کار میں میسور روانہ ہوئے۔مہاراجہ کی طرف سے اسٹیٹ کا ایک افسر بھی معزز مہمانوں کی رہنمائی کے لیے ساتھ تھا ۵ حاجی سر محمد اسماعیل سیٹھ کے دولت کدے سے معزز مہمانوں کا یہ قافلہ دفتر روز نامہ ''الکلام'' بنگلور پہنچا اور تھوڑی دیر بعد مدیر الکلام کلیم الملک سید غوث محی الدین کو اپنے ساتھ لیے عازم میسور ہوا ۶۔

جمعہ گیارہ جنوری ۱۹۲۹ء کی دوپہر علامہ اقبالؒ چودھری محمد حسین، محمد عبداللہ چغتائی، سید غوث محی الدین، نواب غلام احمد کلامی، محمد ابا سیٹھ اور صدیق الملک صادق زین العابدین شاہ، پرائیویٹ سیکریٹری مہاراجہ میسور کے ہمراہ سرنگا پٹم روانہ ہوئے۔ساتھ ہی میسور کے ماہر موسیقار، درباری گویے اور شاعر علی جان اپنے آرکسٹرا کے ساتھ موجود تھے جنہیں خصوصیت کے ساتھ مہاراجہ میسور نے علامہ ممدوح کی مصاحبت کے لیے روانہ کیا تھا۔یہ قافلہ سرنگا پٹم میں جانب مشرق لال باغ کے وسط میں گنبد سلطانی کے صدر دروازے پر پہنچ کر رکا۔علامہ اقبال صدر دروازے سے باغ میں داخل ہوئے۔ سامنے باغ کی روشوں پر ناریل کے درخت دورویہ صف باندھے کھڑے تھے اور وسط میں بیچوں بیچ بلند و بالا گنبد سلطانی اپنی خوش بختی پر نازاں سر اٹھائے ایستادہ تھا جس کی دہلیز پر رحمت حق لپٹی ہوئی تھی اور ملائکہ کے جنود جھک جھک کر اسے چوم رہے تھے۔

گنبد سلطانی کے قریب اسی چبوترے پر مغربی جانب مسجد اقصیٰ کے منقش خوشنما مینار دعوت نظارہ دے رہے تھے۔شمالی دروازے سے نوبت ونقارہ کی آواز آ رہی تھی جس کی روایت سلطان کے زمانے سے چلی آ رہی تھی۔سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں اور ریاست میسور کے درمیان جو معاہدے ہوئے تھے ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ سلطانی عظمت وجلال کی شان باقی رکھنے کے لیے ہر روز پنج وقتہ نوبت ونقارہ بجتے رہیں۔افسوس کہ اس قدیم روایت کو اب ختم کر دیا گیا ہے تاہم سلطان شہید کا جاہ وجلال اور اس کی عظمت واحترام ہنوز کروڑوں قلوب میں اسی طرح جاگزیں ہے اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ اس آستانے پر شاہ وگدا کے سر برائے تعظیم خم نہ ہوتے ہوں۔

علامہ اقبال نہایت ہی عقیدت و احترام سے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔چبوترے کی سیڑھیوں پر اپنے جوتے اتارے اور دھڑکتے دل اور امڈتے جذبات کو سینے میں دبائے گنبد سلطانی کی شمالی دیوار کی طرف بڑھے اور ''السلام علیکم یا اہل القبور'' کہہ کر سیاہ سنگ مرمر کی سنگین جالی پر نگاہ ڈالی تو سیاہ مرمر کے کتبے پر نہایت نفیس خط ثلث میں سفید مرمر کے بنے حروف میں یہ آیت قرآنی درج تھی۔

کل من علیھا فان ۔ و یبقی وجه ربك ذوالجلال و الااکرام ۔ (۵۵:۲۶/۲۷)

آیت قرآنی کے نیچے نستعلیق خط میں یہ شعر کندہ تھا۔

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے
بدیں جانباز سلطانے کہ آمد شد چو مہمانے

یہاں سے علامہ اقبال مشرقی برآمدے کی طرف بڑھے تو شیشم کے خوبصورت اور منقش دروازے کی پیشانی پر نصب سیاہ مرمر کے کتبے پر کندہ اس رباعی پر نظر پڑی۔

از فاطمہؓ زوجہ علیؓ شیر خدا
شد سبط نبیؐ سید شہداؓ پیدا
ایں فاطمہ زاد از علی حیدر
ٹیپو سلطان کہ گشت شاہ شہدا

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ ٹیپو سلطان کے والد کا نام حیدر علی تھا لیکن اس امر سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ سلطان کی والدہ کا نام بھی حسن اتفاق سے فاطمہ تھا۔ نواسہ رسولؐ شہید کربلا حضرت امام حسینؓ کے جلیل القدر قابل صد احترام والدین حیدر کرار حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ اور جگر گوشۂ رسولؐ حضرت فاطمہؓ کے ناموں کی اس باہمی مناسبت نے حضرت علامہ کی طبیعت پر گہرا اثر کیا اور یہی حالت آپ کے تمام رفقائے سفر کی بھی تھی۔ سب پر سکتہ طاری تھا۔ کسی کو اندر داخل ہونے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ علامہ نے اپنے قدم جنوبی دروازے کی طرف بڑھائے تو سب نے آپ کی پیروی کی۔ یہاں پہنچے تو دروازے کی پیشانی پر یہ رباعی کندہ تھی:

در ملک حجاز از علی حیدرؓ
مفتوح شدہ ہفت قلاع خیبر
زیں حیدر دکنی دوّل کرناٹک
گشتند مطیع یک خدیو کشور

حضرت علامہ نے کچھ دیر گرد و نواح پر ایک حسرت بھری نظر ڈالی اور پھر اسی دروازے سے گنبد کے اندر داخل ہو گئے۔ آپ کے پیچھے پیچھے دیگر تمام احباب بھی گنبد میں داخل ہو گئے۔ علامہ نے گنبد کے اندر داخل ہو کر اوّلاً قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ط بل احیاء و لکن لا تشعرون
(۲:۱۵۴)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔

گنبد کے اندر تین مزار ہیں، درمیان میں نواب حیدر علی بہادر کا مزار ہے۔ بائیں جانب ٹیپو سلطان شہید کا اور دائیں جانب ان کی والدہ ماجدہ فاطمہ بیگم کا مزار ہے۔ سلطان شہید کے مزار پر سرخ غلاف تھا۔ اس کی زیارت سے علامہ اقبال کی طبیعت پر انتہائی غم و اندوہ کے اثرات طاری

ہوئے۔خاموش اور اشک بار آنکھوں سے دعا کے لیے اپنے ہاتھ اٹھائے۔

بقول ڈاکٹر عبداللہ چغتائی:

..... علامہ نے جس عقیدت، خلوص اور رقت سے قبر پر فاتحہ خوانی کی اس کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی .....۷۔

فاتحہ خوانی کے بعد ان ہی کیفیات کے زیر اثر علامہ اقبال اور ان کے رفقائے سفر مسجد اقصیٰ اور گنبد سلطانی کے درمیان واقع برآمدے میں آ کر چپ چاپ بیٹھ گئے۔ یہاں علامہ اقبال کی جو حالت تھی اس کا نقشہ مدیر الکلام، کلیم الملک سید غوث محی الدین نے جو اس سفر میں دیگر عمائدین شہر کے ساتھ شریک تھے، حسب ذیل الفاظ میں کھینچا ہے جو بالاختصار درج ذیل کئے جاتے ہیں:

..... فاتحہ خوانی کے بعد ہم سب مسجد میں آئے جو گنبد کے پاس واقع ہے۔ یہاں دکن کے مشہور و معروف خوشنوا مطرب جناب علی جان صاحب نے شیر میسور نواب ٹیپو سلطان خلد آشیاں کی شان میں ایک بہترین نظم خوش الحانی کے ساتھ پڑھی جو سوز و گداز اور درد دل کے جذبات سے بھری ہوئی تھی۔

دوپہر کا وقت تھا۔ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔سامنے گنبد حضرت ٹیپو سلطان شہید واقع تھا اور نگاہیں بار بار ادھر دوڑ کر اس کے صدقے ہوا کرتی تھیں۔جس وقت علی جان صاحب نظم پڑھ رہے تھے علامہ اقبال پر ایک رقّت کا عالم طاری تھا۔کبھی آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا اور آنکھیں خون کبوتر کی طرح لال ہو جاتی تھیں اور کبھی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب جاری ہو جاتا تھا۔اس نظم کے اختتام کے بعد جناب نواب غلام احمد کلامی صاحب نے علی جان صاحب سے ایک اور نظم پڑھنے کی فرمائش کی۔ جناب علی جان صاحب نے نہایت پر درد اور سوز و گداز آواز میں علامہ سر محمد اقبالؒ کے یہ اشعار پڑھے۔

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری
یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

سامعین کے جذبات پہلے ہی پر درد تھے اور دلوں میں یاس و حسرت اور درد و غم کا ایک طوفان برپا تھا مگر اس تصویر درد کی نظم نے آگ پر تیل کا کام کیا۔سامعین کی حالت متغیر ہو گئی۔اگر جناب علی جان صاحب کی یہ پر درد راگنی اور کچھ دیر قائم رہتی تو یقیناً سامعین اپنا گریبان چاک کر لیتے ۸۔

یہاں سے علامہ اقبال دوبارہ روضۂ مبارک کی زیارت کرنے کے لیے اٹھے اور جب مغربی دروازے پر پہنچے تو پیشانی پر یہ رباعی جگمگا رہی تھی:

آں سید شہدائے عرب سبط نبیؐ
لخت جگر فاطمہؓ و جان علیؓ
از فاطمہ و حیدر دکنی ٹیپو
سلطان شہیداں شدہ از جان دلی

اس دروازے کے دائیں بائیں دوسنگین کتبے نصب ہیں جن پر ابھرے ہوئے جلی نستعلیق خط میں فارسی اشعار کندہ ہیں۔ دروازے کے بائیں جانب جو کتبہ نصب ہے اسے ٹیپو سلطان نے نواب حیدرعلی خان بہادر کی تدفین اور گنبد سلطانی کی تکمیل کے بعد لگوایا تھا۔اس میں اس عمارت کی عظمت و شان اور خوبی کی تعریف کی گئی ہے اور ''حیدرعلی خان بہادر'' نام ہی سے ان کی تاریخ سال وفات نکالا گیا ہے یعنی ۱۱۹۵ھ (مطابق ۱۷۸۲ء) اس کتبے میں شہادت سلطانی پر عربی میں ایک اور فارسی میں سات ابیات مرقوم ہیں۔ فارسی ابیات غلام حسین کے اور عربی بیت السید الشیخ الجفری کے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب ارحم السلطان الکریم
ٹیپو سلطان شہید شد ناگاہ
خون خود ریخت فی سبیل اللہ
بود ذیقعدہ بیست و ہشتم آہ
شدہ در روز شنبہ حشر عیاں
میر سالش بہ نیم آہ بگفت
نور اسلام و دیں ز دنیا رفت
تاریخ کشتہ شدن سلطان حیدری
ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد
چو آں مرد میداں نہاں شد ز دُنیا
یکی گفت تاریخ شمشیر گم شد
روح قدسی بعرش گفت کہ آہ
نسل حیدر شہید اکبر شد
ان اخذت مصر کما قد ذکروا
و سرنج فتن اخذت و ربہا
مصیبۃ ما مثلہا ازختہا
ذھب عز الروم و الھند کلہا

سال و تاریخ او شہید بگفت
حامی دیں شہ زمانہ برفت

اس کتبہ میں شہادت سلطانی کے چھ تاریخی مادوں میں پانچ فارسی میں ہیں اور ایک عربی میں۔ عربی کے ایک اور فارسی کے چار مادوں سے سال شہادت ۱۲۱۳ھ (مطابق ۱۷۹۹ء) نکلتا ہے جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نیم آہ نور اسلام و دین ز دُنیا رفت
۲۔ ٹیپو بوجہ دیں محمد شہید شد
۳۔ حامی دین شہ زمانہ برفت
۴۔ ذھب عزّ الروم الھند کلہا

فارسی کا پانچواں مادۂ تاریخ جو بہت مشہور ہے وہ ''شمشیر گم شد'' ہے۔ ۲۷ر ذیعقدہ ۱۲۱۳ھ مطابق ۴رمئی ۱۷۹۹ء تاریخ عالم کی حسرتناک شام جب سلطان کی خاک وخون سے آلودہ نعش ملی تو منجملہ شاہی دستار اور موتیوں کے ہار کی وہ تلوار جس نے فرنگی استعمار کے حوصلے پست کئے تھے اور جو ملک وقوم کی آزادی، وقار اور عظمت کے لیے بلند ہوئی تھی ہمیشہ کے لیے نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اس وقت سے ''شمشیر گم شد'' کے الفاظ سلطان شہید کی تلوار کے لیے بطور استعارہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ''شمشیر گم شد'' سے جو مادہ تاریخ حاصل ہوتا ہے وہ ۱۲۱۴ھ ہے جب کہ شہادت سلطانی کا سال ۱۲۱۳ھ ہے۔

مغربی دروازے کے دونوں جانب نصب کتبوں کو پڑھنے کے بعد علامہ اقبال الوداعی دعا کے لیے ایک مرتبہ پھر گنبد کے اندر داخل ہوئے۔ بقول مدیر'الکلام' سید غوث محی الدین، علامہ اقبال نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا ''سید صاحب! میں گنبد سلطانی میں مراقبہ کرنے والا ہوں۔ جب تک میں خود واپس نہ آجاؤں مجھے کوئی نہ بلائے''۔ دوپہر کے تقریباً دو بجے مہاراجہ کے پرائیویٹ سیکریٹری صادق زین العابدین شاہ نے مدیر الکلام سے کہا کہ دریا دولت باغ میں سرکاری طور پر ڈاکٹر صاحب اور پارٹی کے لیے لنچ کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ پکوان ٹھنڈے ہورہے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دیدی جائے۔ مدیر الکلام نے معذرت ظاہر کردی۔ آخر کار علامہ اقبال تقریباً ڈھائی بجے مراقبہ کے بعد باہر تشریف لائے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ اس موقع پر مسجد اقصیٰ کے صحن میں بنگلور، میسور اور دیگر مقامات کے سینکڑوں افراد موجود تھے۔ میسور کے مشہور ومعروف قومی کارکن اور تاجر پارچہ محمد ابا سیٹھ (سابق ریاستی وزیر عزیز سیٹھ صاحب کے تایا) نے پوچھا ''حضرت! آپ نے اتنی دیر جو مراقبہ فرمایا اس دوران میں سلطان شہید نے آپ کو کوئی پیغام بھی قوم کے نام دیا ہے''۔

علامہ اقبال نے ارشاد فرمایا ''ہاں! مجھے بہت سے پیغامات ملے ہیں جن میں سے ایک پیغام کا فارسی شعر مراقبہ کے دوران ہی بن گیا جو یہ ہے۔

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہم چوں مرداں جاں سپر دن زند گیست[۹]

یہ شعر اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب ٹیپو سلطان کے ایک مصاحب خاص نے شہادت سے کچھ دیر قبل یہ مشورہ دیا کہ وہ خود کو انگریزوں کے حوالے کر دیں تو انہوں نے فوراً جواب دیا ''گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے''۔

بعد ازاں چار اور شعر بھی موزوں ہو گئے جو حضرت علامہ کے انتہائی ذاتی تاثرات پر مبنی تھے اور ان کے کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں۔ بشیر احمد ڈار نے انوار اقبال میں بخط اقبال ان اشعار کی فوٹو کاپی صفحہ نمبر ۲۲۹ پر شائع کی ہے۔

پیغام شہید

حضرت ٹیپوؒ سلطان شہید

آتشے درد دل دگر بر کردہ ام
داستانی از دکن آوردہ ام
در کنارم خنجر آئینہ فام
می کشم او را بتدریج از نیام
نکتہ گویم ز سلطان شہید
زاں کہ ترسم تلخ گرد روز عید
پیشتر رفتم کہ بوسم خاک او
تاشنیدم از مزار پاک او
درجہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہم چو مرداں جاں سپردن زند گیست

''ترجمہ: دکن سے میں ایک داستان لایا ہوں جس نے میرے دل میں آگ بھڑکا دی ہے۔ میرے پہلو میں ایک چمکدار خنجر ہے جسے میں آہستہ آہستہ نیام سے نکال رہا ہوں۔ سلطان شہید کا ایک نکتہ بیان کرتا ہوں۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں عید کی خوشیوں میں تلخیاں نہ پیدا ہو جائیں۔ میں ان کی خاک کو بوسہ دینے کے لیے پہنچا تو ان کے مزار پاک سے یہ آواز آئی کہ اگر دنیا میں مردانہ وار جینا میسر نہ ہو تو مردوں کی طرح جان دے دینا ہی زندگی ہے''۔

گنبد سلطانی کی زیارت اور فاتحہ خوانی کے بعد علامہ اقبال نے صحن کے شمال اور جنوب میں واقع سلطان شہید کے اعزہ کی قبروں کی زیارت کی۔ اس کے بعد علامہ اقبال اپنے رفقاء کے ہمراہ گنبد سلطانی کی شمالی روش پر آ گئے۔ یہاں کچھ دیر رک کر وہاں موجود لوگوں سے گفتگو کی۔ دوران گفتگو کسی

نے علامہ کی توجہ سلطان کے ایک مصاحب خاص میر زین العابدین شوستری کی تصنیف فتح المجاہدین کی طرف مبذول کروائی جسے سلطان نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا اور اس کے ہر مضمون کے اخیر میں سلطان کے دستخط مع مہر ثبت تھے۔حضرت علامہ نے اس کتاب کو دیکھنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا تو محمد ابا سیٹھ نے علاّمہ کو یقین دلایا کہ وہ اس کتاب کو حاصل کر کے لاہور ارسال کریں گے۔(اس کا ذکر راقم الحروف کے والدین کے ماموں محمد عبدالجمیل بنگلوری، متولی لال مسجد کے نام علامہ اقبال کے مکاتیب میں ملتا ہے۔علامہ اقبالؒ کے سات مکاتیب بنام محمد عبدالجمیل اقبال نامہ حصہ دوم مرتب شیخ عطاء اللہ ناشر شیخ محمد اشرف لاہور میں شائع ہو چکے ہیں۔یہ مکاتیب کلیات مکاتیب اقبال سید مظفر حسین برنی حصہ دوم اور سوم میں بھی شامل اشاعت ہیں)

علامہ اقبال کو شروع ہی سے سلطان شہید کی اعلیٰ مرتبت شخصیت سے خاص عقیدت تھی۔یہاں آ کر سلطان کی عزت وعظمت، سطوت وجلال اور اسلام دوستی کو بچشم خود ملاحظہ فرمایا تو اپنے تاثرات کا اظہار یوں فرمایا۔

> ہمارا خیال تھا کہ اورنگ زیب ہی ایسا مسلم شہنشاہ تھا جس پر مسلمانان ہند بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں مگر اب معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان شہید خلد آشیاں بھی ایک بہت بڑی بلند پایہ اور اسلام دوست ہستی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کے سامنے شہنشاہ اورنگ زیب کے کارنامے بھی ہیچ ہیں[۱۰]''اور جب سلطان شہید کا جلال علامہ کے حواس پر پوری طرح حاوی ہوا تو فرمایا''سرزمین ہند میں اگر نیابت حقہ کے مقام تک کسی نے رسائی حاصل کی ہے تو وہ ٹیپو ابن حیدر علی ہے اور اس کی نیابت الٰہیہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک صرف یہی سن کر آنکھوں میں پھر جائے گی کہ اس کی سلطنت کا نام''دولت خداداد''اور اس کی ایوان عدالت کا نام''دریا دولت''تھا[۱۱]۔دریا دولت باغ سے معزز مہمان کا قافلہ سرنگاپٹم کے ویران لیکن تاریخی مقامات کی طرف چل پڑا۔

یہاں علامہ اقبال نے اپنے رفقائے سفر کے ساتھ اس اجڑے شہر کو دیکھا جہاں ویرانی کی حکمرانی ہے۔جہاں کے کھنڈروں اور شکستہ دیواروں میں غداران وطن میر صادق'پورنیا'میر معین الدین، قاسم علی، لنگڑے غلام علی کی''ارواح رذیلہ''بھیانک راتوں میں چیخیں مارتی ہوئی بھٹکتی رہتی ہیں اور نالہ فریاد کرتی ہیں کہ جہنم نے بھی ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔آہ سرنگاپٹم جو کبھی سرکار خداداد کا پایہ تخت تھا آج ایک اجڑا ہوا قصبہ بن کر رہ گیا ہے۔

قلعہ دیکھا جہاں بیٹھ کی سلطان داد سلطنت دیتا تھا۔آہ یہ وہ قلعہ ہے جہاں سلطانی علم پوری آن بان اور شان کے ساتھ لہراتا تھا جہاں دولت کا دریا بہتا تھا۔جس کے چپے چپے پر سلطانی شان امارت سایہ فگن تھی لیکن آج شکستہ حالی کی بدولت یہ حال ہے کہ یہاں زاغ وبوم بھی آشیانہ بنانے سے ڈرتے ہیں۔

مشہد سلطانی دیکھا جو ملک وملت کی اولوالعزمیوں اور سربلندیوں کا مقتل ہے۔جس کی خاک کا ذرہ ذرہ شہیدوں کے مقدس خون سے لالہ زار ہے۔ جہاں خاک وخون کے بستر پر ہندوستان کا روشن اور تابناک آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

سلطانی محل کے کھنڈرات دیکھے جہاں شان جہاں بانی اور شکوہ حکمرانی مدفون ہے جس کے ویرانے ''یادعہد رفتہ'' کی سوگ بھری نشانی ہیں۔سری رنگاناتھ سوامی مندر دیکھا جس کی دیوقامت چوٹی سر اٹھائے سلطان کی ہندو پروری اور مذہبی رواداری کا اعلان کر رہی ہے۔لیکن آج اسی سلطان کو فسطائی طاقتیں ایک متعصب ،سفاک اور ہندو دشمن حکمران ثابت کرنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔

مسجد اعلیٰ دیکھی وہ مسجد جہاں ہر روز پانچ وقت مجاہدین وطن کے سر بارگاہ الٰہی میں خلوص کے ساتھ جھکتے تھے۔ وہ مسجد جس کے بلند میناروں سے اللہ اکبر کی آواز گونجتی تو مجاہدین کی رگوں میں برقی لہر دوڑ جاتی تھی۔ وہ مسجد جس کے بام ودر ودیوار شہیدان وطن کے خون کے چھینٹوں سے گلنار بن گئے تھے۔ وہ مسجد جس کے کتبے دیکھ کر خیرالقرون کی یاد آجاتی ہے۔

مسجد اعلیٰ کے کتبوں کو دیکھ کر اور پڑھ کر علامہ اقبال کی طبیعت پھڑک اٹھی اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

> ''تمام ہندوستان کی مسجدوں میں پھر جایئے۔کیا شہنشاہوں کی بنائی ہوئی اور کیا عوام کی۔ کیا اسلامی عہد کی اور کیا محکومی کے زمانے کی،سوائے مسجد اعلیٰ کے آپ کسی میں یہ بات نہ پائیں گے۔شاہ جہاں کی مسجدوں میں یہ آیہ
>
> المسجد اسعس علی التقوی من اول یوم احق تقوم فیه (۹:۱۰۸)
>
> پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے کہ اتنی عظیم الشان بناؤں کو تعمیر کرتے وقت شاہ جہاں کے دل سے مسجد نبوی کا احترام نہیں گیا مگر مسجد اعلیٰ کو دیکھ کر شاہ جہاں کی مسجدوں کی خصوصیت بھی اتنی اہم نہ رہ گئی ۱۲''

حیات وفکر اقبال میں دورۂ میسور وسرنگاپٹم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال کو اپنا تخلیقی وشعری شاہ کار جاوید نامہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی تحریک اسی سفر کے دوران ملی۔ جاوید نامہ علامہ اقبال کے ایک طویل منصوبے کا نتیجہ ہے۔مشہور اطالوی شاعر دانتے کی ڈیوائن کامیڈی یاطربیہ خداوندی ابنِ عربی کا معراج نامہ فتوحات مکیہ ابوالعلاء المعری کا رسالہ غفران کا پس منظر ان کے ذہن میں ۱۹۰۳ء سے تھا ۱۳۔مگر اس کا آغاز اوائل ۱۹۲۹ء میں ہوا۔

محمد عبدالجمیل بنگلوری کے نام اپنے ایک خط میں لکھا کہ میں اسے اپنی زندگی کا ماحصل (Life work) بنانا چاہتا ہوں ۱۴۔

جاوید نامہ منظوم تمثیلی معراج نامہ ہے جس میں علامہ اقبالؒ اپنے پیر و مرشد شیخ جلال الدین رومی کی رہنمائی میں چھ افلاک اور فردوس بریں کی سیر کرتے ہیں ۔ رومی آپ کو متعدد افلاک میں مختلف اشخاص کی روحوں سے ملاتے ہیں۔فردوس بریں میں آخری ملاقات ٹیپو سلطان شہید سے ہوتی ہے ۔ یہ اس تمثیل کا نقطۂ عروج ہے یا اگر یہ کہا جائے کہ اس مثنوی کا مقصد تخلیق ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ سلطان شہید سے علامہ اقبالؒ کو جو خاص عقیدت تھی وہ گنبد سلطانی پہنچ کر معراج کمال کو پہنچ گئی چنانچہ آپ نے اپنے روحانی سفر میں سلطان شہید کو جنت الفرودس کے بلند ترین مقام پر فائز المرام ملاحظہ فرمایا۔

سفر میسور کے بعد علامہ اقبال سلطان شہید کی شخصیت اور عظمت سے کس قدر متاثر ہوئے اس کا اندازہ اس مکتوب سے کیا جا سکتا ہے ۔ جو آپ نے میجر سعید محمد خان کے نام لکھا۔ میجر موصوف علامہ اقبالؒ کے نام سے ایک فوجی اسکول قائم کرنا چاہتے تھے ۔ان کی اس تجویز کے جواب میں علامہ نے ارقام فرمایا:

> ''ایک معمولی شاعر کے نام سے فوجی اسکول کو موسوم کرنا کچھ زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ آپ اس فوجی اسکول کا نام ''ٹیپو فوجی اسکول'' رکھیں ۔ ٹیپو ہندوستان کا آخری مسلمان سپاہی تھا جس کو ہندوستان کے مسلمانوں نے بہت جلد فراموش کر دینے میں بڑی ناانصافی سے کام لیا ہے ۔جنوبی ہندوستان میں جیسا کہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے اس عالی مرتبت مسلمان سپاہی کی قبر زندگی رکھتی ہے ۔ یہ نسبت ہم جیسے لوگوں کو جو بظاہر زندہ ہیں یا اپنے آپ کو زندہ ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں ۱۵''۔

علامہ اقبالؒ سلطان شہید کے مستند قلمی نسخوں اور روز نامچہ کے متلاشی تھے تا کہ جاوید نامہ میں سلطان کے صحیح صحیح حالات پیش کر سکیں ۔ بنگلور میں علامہ اقبالؒ کے مداح محمد عبدالجمیل مرحوم متولی لال مسجد بنگلور (راقم الحروف کے والدین کے ماموں) سے حضرت علامہ کی خط و کتابت تھی ۔ان کے نام علامہ اقبال اپنے مکاتیب میں تحریر فرماتے ہیں :

> ..... مجھے اس اطلاع سے بے حد مسرت ہوئی کہ میرا سفر میسور مسلم نوجوانوں میں تاریخی تحقیق کے شوق و ذوق کا باعث ہوا ۔سیٹھ محمد ابا نے مجھے سلطان شہید کی تاریخ سے متعلق ایک قلمی مسودہ جو ایک شخص کے پاس ہے جو ہمیں سلطان کے مقبرہ پر ملا تھا ارسال فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا ۔ مجھے امید ہے کہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہوں گے ۔ان تک میرا سلام شوق پہنچا دیجیے اور ان سے کہیے کہ اسلام کی خدمت کے لیے ان کے ذوق و جوش نے میرے دل میں ایسا اثر پیدا کیا ہے جو کبھی محو نہ ہو گا ۔ میں دست بدعا ہوں کہ انہیں بنگلور کے حاجی سر اسماعیل کی سی عظمت و منزلت حاصل ہو..... ۱۶''
>
> .....سلطان شہید پر میری نظم اس کتاب کا حصہ ہو گی جسے میں اپنی زندگی کا ماحصل بنانا چاہتا

ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لیے آپ کو کافی انتظار کرنا پڑے گا۔ میں نے اس کا ایک حصہ کچھ عرصہ ہوا مرتب کیا تھا لیکن پھر ضروری مشاغل کی بنا پر اس کو نامکمل چھوڑ دینا پڑا۔ سلطان شہید کے کسی روزنامچہ کا مجھے علم نہیں لیکن اگر واقعی کوئی روزنامچہ موجود ہے تو کچھ دیر کے لیے مستعار مرحمت فرما دیجیے۔ میں اس سے ضروری نوٹ لے کر واپس کر دوں گا.....۱۷

.....سلطان شہید کے روزنامچے کے لیے جو سلسلہ جنبانی آپ نے شروع کی ہے اس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔اگر آپ ایک نسخہ بھجوا سکیں تو میرے لیے ایک گنج گراں بہا ہوگا۔ اس روزنامچے سے امید ہے کہ سلطان سے متعلق مجوزہ نظم میں مجھے سلطان شہید کے صحیح صحیح حالات پیش کرنے میں بہت امداد ملے گی۔از راہ کرم مطلع فرمائیے کہ وہ مالک کتاب قیمت چاہتے ہیں تو کیا؟ میں بخوبی مناسب قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔اگر وہ آپ کو کتاب کی نقل لینے دیں تو خوشخط نقل لے لیجیے.....۱۸

علامہ اقبال کی نظر میں جاوید نامہ کی جو قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مکاتیب سے ہوتا ہے۔

.....آخری نظم جاوید نامہ جس کے دو ہزار شعار ہوں گے ابھی ختم نہیں ہوئی۔ممکن ہے مارچ تک ختم ہو جائے۔ یہ ایک قسم کی ڈیوائن کامیڈی ہے اور مثنوی مولانا روم کی طرز پر لکھی گئی ہے۔اس کا دیباچہ بہت دلچسپ ہوگا اور اس میں ہند و ایران بلکہ تمام دنیائے اسلام کے لیے نئی نئی باتیں ہوں گی.....۱۹

.....اس سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ جاوید نامہ کا تمام و کمال ترجمہ کیا جائے۔ یہ نظم ایک قسم کی ڈیوائن کامیڈی ہے۔مترجم کا اس سے یورپ میں شہرت حاصل کر لینا یقینی امر ہے۔اگر وہ ترجمہ میں کامیاب ہو جائے اور اگر ترجمہ کو کوئی عمدہ مصور illustrate بھی کر دے تو یورپ اور ایشیا میں مقبول تر ہوگا۔ اس کتاب میں بعض بالکل نئے تخیلات ہیں اور مصور کے لیے بہت عمدہ مسالہ ہے.....۲۰

.....میری رائے میں میری کتابوں میں سے صرف جاوید نامہ ایک ایسی کتاب ہے جس پر مصور طبع آزمائی کرے تو دنیا میں نام پیدا کر سکتا ہے۔مگر اس کے لیے پوری مہارت فن کے علاوہ الہام الٰہی اور صرف کثیر کی ضرورت ہے.....۲۱

.....آپ محض فن مصوری میں اضافہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ دنیائے اسلام میں بحیثیت مصور اقبال ایک زبردست خدمت انجام دے رہے ہیں۔ جو کہ شاید قدرت آپ سے لینا چاہتی ہے۔ پوری مہارت فن کے بعد اگر آپ نے جاوید نامہ پر خامہ فرسائی کی تو ہمیشہ زندہ رہو گے.....۲۲

.....کاش آپ میری فارسی غزلیات اور نئی تصنیف جاوید نامہ پڑھ سکتے۔ان سے آپ کو اسلامی تصوف سے کچھ واقفیت ہو جاتی ہے.....۲۳

..... مجھے امید ہے کہ اس کو (جاوید نامہ کو) پڑھ کر آپ کو رومی کے بارے میں میرے نظریے کا کچھ اندازہ ہو جائے گا اور اُن اہم مسائل کا بھی جو دور جدید میں اسلام کو درپیش ہیں.....۲۴

جاوید نامہ کی ابتدا مناجات سے ہوتی ہے۔شام کا وقت ہے اور علامہ اقبال سمندر کے کنارے کھڑے رومی کے چند اشعار گنگنا رہے ہیں اتنے میں پیر رومی کی روح آشکار ہوتی ہے جس سے اقبال کئی سوالات پوچھتے ہیں بالخصوص یہ کہ روح انسانی کے لیے زمان ومکاں سے باہر نکلنا کیوں کر ممکن ہے۔ یہاں اقبال دراصل معراج نبوی کا فلسفہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔زمان ومکاں کی روح ظاہر ہوتی ہے جو ایک دورخی فرشتہ کی شکل میں ہے۔ایک چہرہ تاریک اور خوابیدہ، دوسرا روشن و بیدار، یہ روح اقبال کو مسحور کر دیتی ہے اور عالم بالا کی طرف لے جاتی ہے۔ پیر رومی کی روح بھی ساتھ ہے اور دونوں مکاں میں پرواز کرتے ہوئے فلک قمر پر پہنچتے ہیں۔ یہاں کرۂ قمر میں اقبال اور رومی کی ملاقات جہاں دوست (وشوامترا) نام کے ایک عارف ہندی سے ہوتی ہے۔ اس موقع پر اقبال کی جہاں دوست کے ساتھ گفتگو ہوتی ہے۔ پھر وادی طواسین رسل پہنچتے ہیں۔ طاسین گوتم میں ایک زن رقاصہ جہاں دوست کے ہاتھ پر توبہ کرتی ہے۔طاسین زرتشت میں اہرمن زرتشت کو آزماتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔طاسین مسیح میں حکیم طالسطائی کا ایک حقیقت نما خواب ہے جس میں طالسطائی دکھاتا ہے کہ اہل مغرب میں عیسائیت کا کیا حال ہے۔ طاسین محمدؐ میں کعبہ کا بت خانے سے حرم بن جانے پر ابوجہل نوحہ خواں ہے۔

یہاں سے اقبال اور رومی فلک عطارد پر پہنچتے ہیں جہاں ان کی ملاقات جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا سے ہوتی ہے۔افغانی سے تعارف کراتے ہوئے رومی اقبال کا نام ''زندہ رود'' بتاتے ہیں۔ان دونوں سے وقت کے اہم اسلامی مہمات پر گفتگو چھڑ جاتی ہے۔فلک زہرہ میں اقوام قدیم کے دیوتاؤں کی ایک مجلس جمی ہوئی ہے جس میں ان کے نغمے سنائی دیتے ہیں، پھر دریائے زہرہ میں فرعون اور کچنر کی ارواح نمودار ہوتی ہیں۔آخر میں مہدی سوڈانی جلوہ گر ہوتے ہیں اور عربوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ باہمی تفرقہ ختم کر کے حرم کی پاسبانی کے لیے متحد ہو جائیں۔

فلک مریخ میں حکیم مریخی سے ملاقات ہوتی ہے جہاں زندہ رود (اقبال) اور حکیم مریخی کے درمیان خودی، تقدیر اور تدبیر کے مسئلے پر مکالمہ ہوتا ہے۔ پھر ایک فرنگن جو مصنوعی نبیہ ہے نمودار ہوتی ہے اور آزادئ نسواں کا پیغام دیتی ہے۔

فلک مشتری میں منصور حلاج، اسداللہ خان غالب اور بابی مبلغ قرۃ العین سے گفتگو ہوتی ہے۔ حلاج جنت اور خودی کے حقائق بیان کرتا ہے۔ غالب اپنے ایک شعر کی تشریح کرتے ہوئے رحمتہ

اللعالمین کے اسرار وحقائق آشکار کرتے ہیں۔اس بحث کے آخر میں ابلیس نمودار ہوتا ہے اور انسان کی کمزوری اور اپنی آسان فتوحات پر ماتم کرتے ہوئے کسی مرد حق کی آرزو کرتا ہے تا کہ شکست کی لذت سے آشنا ہو سکے۔

فلک زحل میں ''جعفر از بنگال و صادق از دکن'' جیسے'' ننگ آدم' ننگ دین' ننگ وطن، غداران ملک وملت کی ارواح رذیلہ کو خونین قلزم کے عذاب میں مبتلا دکھایا گیا ہے جن کو قبول کرنے سے دوزخ نے بھی انکار کر دیا ہے۔ پھر ''روح ہندوستان'' آشکار ہوتی ہے اور نالہ وفریاد کرتے ہوئے موجودہ غلامی کے اسباب بتاتی ہے کہ جب تک جعفر اور صادق جیسے غدار اس ملک میں پیدا ہوتے رہیں گے اس وقت تک غلامی باقی رہے گی۔

اس کے بعد ماورائے افلاک پر عروج ہوتا ہے جو سیاروں سے آگے کا جہاں ہے۔ یہاں مشہور جرمن فلسفی نطشے سے ملاقات ہوتی ہے۔ جسے زندہ رود (اقبال) مجذوب فرنگی کہتا ہے اور اس کے افکار کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کے فلسفے کو ناقص قرار دیتا ہے۔

آنسوئے افلاک سے زندہ رود (اقبال) اور رومی جنت الفردوس میں وارد ہوتے ہیں۔ یہاں رومی زمان ومکاں اور جنت ودوزخ کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ جنت الفردوس میں قصر شرف النساء نظر آتا ہے۔ جس میں مغلیہ دور کے ایک حاکم پنجاب عبدالصمد کی جواں مرگ دختر فروکش ہے جسے قرآن اور تلوار سے تعلق خاطر تھا۔ قصر شرف النساء کی زیارت کے بعد سید علی ہمدانی اور ملا طاہر غنی کشمیری سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان مکالمات میں کشمیر کے ماضی، حال اور مستقبل کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس کے بعد ہندو شاعر بھرتری ہری اپنا نغمہ سناتا ہے۔ بعدازاں کاخ سلاطین میں نادر شاہ اور ابدالی سے ملاقات ہوتی ہے۔ نادر شاہ ایرانیوں کی موجودہ حالت دریافت کرتا ہے۔ جواب میں زندہ رود (اقبال) بیان کرتا ہے کہ وہ اسلامیت اور عربیت سے روگردانی کرتے ہوئے ایرانیت کے راستے پر گامزن ہیں اور فرنگیوں کی تقلید کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے۔ ابدالی افغانیوں کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کو محفوظ رکھیں اور فرنگیوں کی تقلید نہ کریں۔

آخری مکالمہ زندہ رود (اقبال) اور ٹیپو سلطان شہید کے درمیان ہوتا ہے اور سلطان شہیدؒ اپنے پیارے دکن کے حالات دریافت کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ کیا وہاں زندگی کے کچھ آثار پائے جاتے ہیں؟ زندہ رود (اقبال) کو اپنا سفر دکن یاد آجاتا ہے اور اثبات میں جواب دیتے ہیں۔ اس کے بعد سلطان شہید رود کاویری کو پیغام دیتے ہوئے حیات، مرگ اور شہادت کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔

فردوس بریں سے رخصت ہوتے وقت حوران بہشتی زندہ رود (اقبال) سے کچھ اشعار سنانے کی فرمائش کرتی ہیں تو وہ عشق، عمل، خودی اور سلطانی کے نکات پر مشتمل اپنا کلام پیش کرتا ہے۔ بہشت سے نکلنے کے بعد شاعر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں رومی بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ ناگہاں 'تجلی حق' نمودار ہوتی ہے۔ یہاں شاعر خدا کے حضور چند اہم سوالات کرتا ہے۔ جاوید نامہ کا تمتہ

''خطاب بہ جاوید'' ہے جو''سخنے بہ نژادنو''یعنی نئی نسل کے نام پیغام ہے۔

آمدم برسرمطلب جاوید نامہ کے خلاصے کے بعد اس مثنوی کے اس حصہ کی تشریح پیش کی جاتی ہے جس میں زندہ رود (اقبال) کی سلطان شہید سے ملاقات ہوتی ہے۔اس موقع پر سلطان شہید اور زندہ رود (اقبال) کے درمیان ایک بصیرت افروز مکالمہ ہوتا ہے جس میں زندہ رود (اقبال) سلطان شہید کے سوالات کے جواب دیتے ہیں۔ بعد ازاں سلطان شہید رود کاویری کو پیغام دیتے ہوئے حسب ذیل حقائق حیات و مرگ و شہادت کا انکشاف اور بعض اہم ترین تصورات کی حقیقت واضح کرتے ہیں۔

سلطان شہید اور زندہ رود (اقبال) سے ملاقات اور گفتگو سے پہلے پیر رومی سلطان شہید کا یوں تعارف کراتے ہیں۔

آں شہیدان محبت را امام
''آبروئے ہند و چین و روم و شام''
نامش از خورشید و مہ تابندہ تر
خاک قبرش از من و تو زندہ تر!
عشق رازے بود بر صحرا نہاد
تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد
از نگاہ خواجۂ بدر و حُنین
فقر سلطاں وارث جذب حسینؓ
رفت سلطان زیں سرائے ہفت روز
نوبت او در دکن باقی ہنوز!

ترجمہ: ٹیپو سلطان شہید جو شہیدان محبت کا امام ہے جو ہند و چین و روم و شام کی آبرو ہے۔ جس کا نام مہ و خورشید سے زیادہ تابندہ ہے جس کی قبر کی مٹی ہم زندہ انسانوں سے زیادہ زندہ ہے۔جس نے عشق کا راز فاش کر دیا۔یعنی دنیا کو دکھا دیا کہ عاشق اسے کہتے ہیں۔ اے زندہ رود تو نہیں جانتا کہ اس نے کس ذوق وشوق کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔خواجہ بدر و حنین سرکار دو عالم ﷺ کی نگاہ میں اس کا فقر جذبہ حسینؓ سے متصف ہے۔اگر چہ کہ سلطان اس چند روزہ دار الفنا سے رخصت ہو چکا ہے مگر ابھی تک اس کا شہرہ دکن میں باقی ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت بے محل نہیں کہ علامہ اقبال نے مندرجہ بالا مصرعہ''آبروئے ہند و چین و روم و شام''گنبد سلطانی کے مغربی دروازے کی دائیں جانب نصب سنگین کتبہ پر کندہ عربی مادہ تاریخ شہادت سلطان

''ذهب عزّالروم و الهند كلها''

سے متاثر ہوکر لکھا ہے۔علامہ اقبال کے قریبی ساتھی سید نذیر نیازی لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ اقبال نے اپنے انگریزی بیان میں لکھا تھا کہ سرنگاپٹم میں سلطان ہند کے مزار پر جو تاریخ کندہ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔''ہندوستان اور روم کی عظمت کا چراغ گل ہوگیا''اور اس کی بنا پر انہوں نے ایک شعر میں سلطان الہند کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا

آں شہیداں محبت را امام
آبروئے ہند و چین و روم و شام

اصل تاریخ جو عربی میں ہے حضرت علامہ کو یاد نہیں رہ سکی ۲۵۔

جس انگریزی بیان کا ذکر سید نذیر نیازی نے کیا ہے وہ ***Islam and Ahmedism*** ہے جو علامہ اقبال نے ردّ قادیانیت کے موضوع پر دیا تھا۔اس مضمون کا کتابچہ کی شکل میں انجمن خدام الدین لاہور نے اپنے مجلّہ''اسلام'' مورخہ ۲۲/جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع کیا ہے۔اس مضمون کا اردو ترجمہ میر حسن الدین نے ختم نبوت اور قادیانیت کے عنوان سے حیدرآباد (دکن) سے شائع کیا ہے۔اس کے صفحہ نمبر ۲۰ پر علامہ اقبال ارقام فرماتے ہیں۔

.....دنیائے اسلام کی تاریخ میں ۱۷۹۹ء بے حد اہم ہے۔اسی سال ٹیپو کو شکست ہوئی۔اس کی شکست کے ساتھ مسلمانوں کا ہندوستان میں سیاسی نفوذ حاصل کرنے کی جو امید تھی اس کا خاتمہ ہوگیا۔اسی سال جنگ نواربنو وقوع پذیر ہوئی جس میں ترکی کا بیڑہ تباہ ہوگیا۔جو لوگ سرنگاپٹم گئے ہیں ان کو ٹیپو کے مقبرے پر یہ تاریخ وفات کندہ نظر آئی ہوگی 'ہندوستان اور روم کی عظمت ختم ہوگئی' ان الفاظ کے مصنف نے پیش گوئی کی تھی۔پس ۱۷۹۹ء میں ایشیا میں اسلام کا انحطاط انتہا کو پہنچ گیا تھا لیکن جس طرح کے ژینا میں جرمنی کی شکست کے بعد جدید جرمن قوم کی نشو ونما ہوئی۔کہا جا سکتا ہے کہ اسی طرح ۱۷۹۹ء میں اسلام کی سیاسی شکست کے بعد جدید اسلام اور اس کے مسائل معرض ظہور میں آئے.....

اب سلطان شہید اور زندہ رود (اقبال) کے درمیان گفتگو ہوتی ہے۔سلطان شہید زندہ رود (اقبال) سے ہندوستان کا حال پوچھتے ہیں:

باز گو از ہندو از ہندوستان
آنکہ باکاہش نیرزد بوستاں!
آنکہ اندر مسجدش ہنگامہ مُرد
آنکہ اندر دیر او آتش فُسرد
آنکہ دل از بہر او خوں کردہ ایم
آنکہ یادش را بجاں پروردہ ایم
از غم ماکن غم او را قیاس
آہ ازاں معشوق عاشق ناشناس

ترجمہ: اے زندہ رود (اقبال)! مجھے ہندوستان کا حال سنایئے۔ وہ ہندوستان جس کی گھاس کی برابری کوئی باغ نہیں کرسکتا۔ جس کی مسجدیں ویران پڑی ہیں۔ جس کے آتش کدوں کی آگ بجھ چکی ہے یعنی مسلمان اور ہندو سب فرنگیوں کی غلامی میں مست ہیں۔ جس کی آبرو کی حفاظت میں ہم نے اپنا خون دل دیا۔ وہ ہندوستان جس کی یاد اب بھی ہمارے دل میں پلتی ہے۔ ہمارے غم سے اس کے غم کا قیاس کر لینا، وہ کیسا معشوق ہے جو عاشق کو نہیں پہچانتا۔

زندہ رود (اقبال) جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہندیاں منکر ز قانون فرنگ
در نگیرد سحر و افسون فرنگ
روح را بار گراں آئین غیر
گرچہ آید ز آسماں آئین غیر

ترجمہ: اس وقت (۱۹۳۱ء میں) اہل ہند فرنگی قانون کے منکر ہو رہے ہیں۔ یعنی فرنگیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے ہیں۔ اب فرنگیوں کا کوئی جادو ان پر اثر نہیں کرتا۔ غیر کا آئین روح پر بھاری بوجھ ہے اگر آسمان ہی سے کیوں نہ نازل ہو۔

سلطان شہید پھر سوال کرتے ہیں:

چوں بروید آدم از مشت گلے
بادلے ، با آرزوے در دلے
لذت عصیاں چشیدن کار اوست
غیر خود چیزے ندیدن کار اوست
زانکہ بے عصیاں خودی ناید بدست
تا خودی ناید بدست آید شکست
زائر شہر و دیارم بودۂ
چشمِ خود را بر مزارم سودۂ
اے شناسائے حدود کائنات
در دکن دیدی ز آثار حیات؟

ترجمہ: چونکہ آدمی مشت خاک سے پیدا ہوتا ہے اس کا ایک دل ہوتا ہے اور دل میں آرزو ہوتی ہے۔ وہ گناہ کی لذت ضرور چکھتا ہے وہ اپنے سوا کسی اور چیز کو نہیں دیکھتا۔ کیونکہ گناہ کے بغیر خودی ہاتھ نہیں آتی۔ جب تک خودی ہاتھ نہیں آتی شکست ہی ملتی ہے یعنی انسان ٹھوکر کھا کر ہی کچھ سیکھتا ہے۔

اے زندہ رود (اقبال)! آپ نے (۱۹۲۹ء میں) میرے شہر و دیار کی زیارت کی تھی اور میرے مزار کو بھی آنکھوں سے لگایا تھا۔ اے شناسائے حدود کائنات! کیا آپ نے دکن میں کچھ آثار حیات بھی دیکھے؟۔

زندہ رود (اقبال) جواب دیتے ہیں:

تخم اشکے ریختم ، اندر دکن
لالہ ہا روید ز خاک آں چمن
رود کاویری مدام اندر سفر
دیدہ ام در جان او شورے دگر

ترجمہ: میں نے دکن میں اپنے آنسوؤں کے بیج بو دیئے ہیں۔ اس چمن کی خاک سے بہت سے گل و لالہ پیدا ہوں گے۔ دریائے کاویری ہمیشہ کی طرح سرگرم سفر ہے اور میں نے اس کی جان میں ایک نیا ہی شور دیکھا ہے۔

سلطان شہید فرماتے ہیں:

اے ترا دادند حرف دل فروز
از تپ اشک تو می سوزم ہنوز
کاو کاو ناخن مردان راز
جوے خوں بکشاد از رگہائے ساز
آں نوا کز جان تو آید بروں
می دہد ہر سینہ را سوز دروں
بودہ ام در حضرت مولائے کل
آنکہ بے او طے نمی گردد سبل
گرچہ آنجا جرات گفتار نیست
روح را کارے بجز دیدار نیست
سوختم از گرمیٔ اشعار تو
بر زبانم رفت از افکار تو
گفت ''ایں بیتے کہ بر خواندی ز کیست؟
اندرو ہنگامہ ہائے زندگست''
باہمہ سوزے کہ در سازد بجاں
یک دو حرف از مابہ کاویری رساں
درجہاں تو زندہ رود او زندہ رود
خوشترک آید سرود اندر سرود

ترجمہ: اے زندہ رود (اقبال)! آپ کو دلوں کو روشن کرنے والے الفاظ دیئے گئے ہیں۔ آپ کے آنسوؤں کی تپش سے میں جل رہا ہوں۔ مردان راز کے ناخنوں کی پیہم ضربوں نے ساز کی رگوں سے خون کی ندیاں بہائی ہیں۔ آپ کے دل سے نکلی ہوئی آواز ہر فرد کے سینے میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ مجھے مولائے کل سرکار دو عالم ﷺ کے حضور میں حاضری کا شرف حاصل ہو چکا ہے جن کی اطاعت کے بغیر راستے طے نہیں ہوتے۔ اگر چہ آپؐ کی بارگاہ میں کسی کو جرأت گفتار نہیں۔ بجز دیدار کے روح کچھ نہیں کر سکتی لیکن میں چونکہ آپ کے اشعار کی گرمی میں جل چکا ہوں۔ آپ کے افکار میری زبان پر آ ہی گئے۔ انہیں سن کر حضورؐ نے فرمایا یہ جو بیت آپ نے پڑھی ہے وہ کس کی ہے؟ اس میں زندگی کے ہنگامے پنہاں ہیں۔ آپ میرا ایک پیغام دریائے کاویری کو پہنچا دیجیے۔ دنیا میں دریائے کاویری ایک حیات افروز دریا ہے اور آپ بھی علم و دانش کا زندہ جاوید دریا ہیں۔ دونوں کا سرود مل جائے تو بہت خوب ہوگا۔

چنانچہ سلطان شہید علامہ اقبال کے ذریعہ دریائے کاویری کے نام ایک طویل پیغام بھیجتے ہیں جسے علامہ اقبال نے ''حقیقت حیات و مرگ و شہادت'' کا عنوان دیا ہے۔

پیغام سلطان شہید بہ رود کاویری

(حقیقت حیات و مرگ و شہادت)

رود کاویری یکے نرمک خرام
خستہ شاید کہ از سیر دوام!
در کہستان عمر ہا نالیدہ
راہ خود راہ بامژہ کاویدہ
اے مرا خوشتر ز جیحون و فرات
اے دکن را آب تو آب حیات
آہ شہرے کو در آغوش تو بود
حسن نوشیں جلوہ از نوش تو بود
کہنہ گردیدی شباب تو ہماں
پیچ و تاب و رنگ و آب و تو ہماں
موج تو جز دانہ گوہر نزاد
طرۂ تو تا ابد شوریدہ باد!
اے تیرا سازے کہ سوز زندگی است
ہیچ می دانی کہ ایں پیغام کیست؟

آنکہ می کردی طواف سطوتش
بودہ آئینہ دار دولتش!
آنکہ صحرا ہا ز تدبیرش بہشت!
آنکہ نقشِ خود بخون خود نوشت
آنکہ خاکش مرجع صد آرزو ست
اضطراب موج تو از خون اوست!
آنکہ گفتارش ہمہ کردار بود
مشرق اندر خواب و او بیدار بود

ترجمہ: اے رود کاویری جو کہ آہستہ خرام ہے مسلسل بہتے رہنے سے شاید تو تھک گئی ہے۔تو نے مدتوں تک کوہستان میں نالہ وفریاد کی ہے۔تو خود اپنی راہ بناتی رہی۔اے دریا! تیرا پانی دکن کے لیے آب حیات ہے۔آہ! وہ شہر جو کبھی تیری آغوش میں آباد تھا۔جس کے دلنواز حسن میں تیرے حسن کا پرتو نظر آتا تھا۔تو پُرانی ہوگئی ہے تاہم تیرا شباب ہنوز باقی ہے۔تیرا رنگ وآب وپیچ وتاب ابھی وہی ہے تیری موجوں نے موتی کے سوا کچھ پیدا نہیں کئے۔تیرا طرہ ابد سے شوریدہ ہے۔اے کاویری! تیرے ساز میں سوزِ زندگی پوشیدہ ہے تجھے خبر بھی ہے کہ میں کس کا پیغام لایا ہوں؟ سن یہ اس کا پیغام ہے جس کی سطوت وشوکت کا تو نے مدتوں طواف کیا ہے۔جس کی دولت وحکومت کی تو آئینہ دار تھی۔جس نے اپنے حسن انتظام سے دکن کے صحراؤں کو بہشت بنا دیا تھا۔

تیری موجوں میں جو اضطراب ہے وہ اس کے خون سے ہے۔وہ جس کی گفتار سراپا کردار تھی۔سارا مشرق محوخواب تھا مگر وہ بیدار تھا یعنی تمام مشرقی ممالک انگریزوں کی عیاری سے بےخبر وغافل تھے۔صرف سلطان شہیدان کے ناپاک عزائم سے خبردار تھا۔

اے من و تو موجے از رود حیات
ہر نفس دیگر شود ایں کائنات
زندگانی انقلاب ہر دمے ست
زانکہ او اندر سراغ عالمے ست!
تار و پود ہر وجود از رفت و بود
ایں ہمہ ذوق نمود از رفت و بود
جادہ ہا چوں رہرواں اندر سفر
ہر کجا پنہاں سفر پیدا حضر!
کارواں و ناقہ و دشت و نخیل

ہر چہ بینی نالد از درد رحیل
در چمن گل میہمانِ یک نفس
رنگ و آبش امتحان یک نفس
موسم گل ؟ ماتم و ہم نائے و نوش
غنچہ در آغوش و نعش گل بدوش
لالہ را گفتم یکے دیگر بسوز
گفت راز مانمی دانی ہنوز!
از خس و خاشاک تعمیر وجود
غیر حسرت چیست پاداش نمود؟

ترجمہ: اے دریا! ہم دونوں دریائے حیات کی موجیں ہیں۔ ہرنفس اس کائنات میں تغیر ہے۔زندگی میں ہردم ایک انقلاب واقع ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک نئے عالم کے سراغ میں لگی رہتی ہے۔ ہروجود کے تار پود آمدورفت کے مرہون منت ہیں۔ظاہر کی یہ تمام نیرنگیاں بھی آمدورفت سے ہیں۔راہ چلنے والوں کی طرح راہیں بھی سفر میں لگی رہتی ہیں۔غور سے دیکھا جائے تو بظاہر ساکت ہیں۔لیکن حقیقت میں سفر کررہے ہیں۔کارواں سواری،صحرا، باغ جس کو دیکھو جدائی کے درد سے رورہا ہے۔چمن میں پھول بس گھڑی بھر کا مہمان ہے۔اس کے آب ورنگ کا امتحان بھی عارضی ہے۔موسم گل؟ مسرت کا مقام بھی ہے اور ماتم کا موقع بھی۔ وہ کلی کو آغوش میں اور نعش گل کاندھے پر اٹھائے ہوئے ہے۔ میں نے لالہ سے کہا ایک بار پھر اپنے سوز کا جلوہ دکھا۔اس نے جواب دیا آپ ہمارے راز سے ابھی واقف نہیں۔وجود کی تعمیر محض خس وخاشاک سے ہوتی ہے نمود وظہور کی سزا حسرت کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟

در سرائے ہست و بود آئی؟ میا
از عدم سوئے وجود آئی؟ میا
وربیائی چوں شرار از خود مرو
در تلاش خرمنے آوارہ شو!
تاب و تب داری اگر مانند مہر
پا بنہ در وسعت آباد سپہر!
کوہ و مرغ وگلشن و صحرا بسوز
ماہیاں را در تہ دریا بسوز!
سینہ داری اگر در خورد تیر

در جہاں شاہیں بزی شاہیں بمیر!
زانکہ در عرض حیات آمد ثبات
از خدا کم خواستم طول حیات!
زندگی راچیست رسم و دین و کیش؟
یک دم شیری بہ از صد سال میش

ترجمہ: آپ سرائے وجود میں آنا چاہتے ہیں مت آیئے۔ عدم سے وجود کی طرف آنا چاہتے ہیں۔مت آیئے اور اگر آ ہی گئے ہیں تو چنگاری کی طرح اپنے آپ سے جدا نہ ہو جایئے بلکہ ایک خرمن کی تلاش میں بھٹکتے رہیے۔اگر آپ آفتاب کی طرح تب وتاب رکھتے ہیں تو آسمانوں کی وسعتوں میں قدم رکھیے۔ پھر پہاڑوں، پرندوں، گلشن وصحرا، کو جلا دیجئے۔اگر سینہ رکھتے ہیں تو تیر کھایئے اور دنیا میں شاہین کی طرح جئیں اور مریں۔ چونکہ ثبات عرض حیات میں ہے اس لیے میں نے خدا سے طویل زندگی نہیں مانگی۔زندگی کی رسم، دین اور مذہب کیا ہے؟ بھیڑ بکری کی سو سالہ زندگی سے شیر کا ایک لمحہ بہتر ہے۔

زندگی محکم ز تسلیم و رضا ست
موت نیرنج و طلسم و سیمیاست!
بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ
یک مقام از صد مقام اوست مرگ!
می فتد بر مرگ آں مرد تمام
مثل شاہینے کہ افتد بر حمام!
ہر زماں میر و غلام از بیم مرگ
زندگی او را حرام از بیم مرگ!
بندۂ آزاد را شانے دگر
مرگ او را می دہد مانے دگر!
او خود اندیش است مرگ اندیش نیست!
مرگ آزاداں ز آنے بیش نیست!
بگذر از مرگے کہ سازد بالحد
زانکہ ایں مرگ است مرگ دام و دد!
مرد مومن خواہد از یزدان پاک
آں دگر مرگے کہ برگیرد زخاک!
آں دگر مرگ ! انتہائے راہ شوق

آخریں تکبیر درجنگاہ شوق!
گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر!
مرگ پور مرتضیٰؓ چیزے دگر!
جنگ شاہاں جہاں غارت گری است
جنگ مومن سنت پیغمبری است!
جنگ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست
ترک عالم ، اختیار کوے دوست!
آنکہ حرف شوق با اقوام گفت
جنگ را رہبانی اسلام گفت!
کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخون خود خرید ایں نکتہ را

ترجمہ: زندگی تسلیم و رضا سے مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے۔موت محض ایک فریب نظر ہے۔ بندۂ خدا شیر اور موت ہرن ہے۔سو مقامات میں ایک مقام موت ہے۔مرد کامل موت کا استقبال اس طرح کرتا ہے جس طرح شاہین کبوتر پر جھپٹتا ہے۔ایک غلام موت کے خوف سے ہر لمحے مرتا رہتا ہے۔اس کا جینا حرام ہو جاتا ہے۔لیکن ایک بندۂ آزاد کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔موت اسے ایک اور زندگی بخشتی ہے۔وہ خودی کی فکر کرنے والا ہے موت کی فکر کرنے والا نہیں۔مرد حر کی موت ایک لمحے سے زیادہ کی نہیں ہوتی۔اس موت کو نظر انداز کر دے جس کا تعلق لحد اور قبر سے ہوتا ہے کیونکہ ایسی موت تو بس جانوروں اور درندوں کی ہوتی ہے۔مرد مومن تو خدائے پاک سے ایسی موت مانگتا ہے جو اسے خاک سے اٹھا کر بلند و بالا کر دے۔ وہ موت راہ شوق و محبت کی انتہا ہے۔شوق و محبت کے میدان جنگ میں آخری تکبیر ہے۔اگرچہ مومن کے لیے ہر موت شکر کی طرح شیریں ہوتی ہے لیکن حضرت علی المرتضیٰؓ کی فرزند کی موت ایک اور ہی چیز ہے۔

دنیا کے بادشاہوں کی جنگ غارت گری ہے اور مومن کی جنگ سنت پیغمبری ہے۔مومن کی جنگ کیا ہے؟ محبوب کی طرف ہجرت اور ترک عالم کیا ہے؟ دوست کا کوچہ اختیار کرنا۔ حضور اکرم ﷺ کا وہ پیغام جو آپؐ نے اقوام عالم کو دیا وہ جنگ اور جہاد کا اسلام کی رہبانیت قرار دینا ہے۔یہ نکتہ سوائے شہید کے کوئی نہیں جانتا جس نے اپنے خون کی قیمت دے کر اسے خریدا ہے۔

علامہ اقبال کی فکری بلندی ، کردار نگاری کی صداقت و سچائی اور تخیل کی بلند پروازی سے دنیائے علم و ادب خوب واقف ہے تصویر کشی و منظر نگاری اور اس کی وساطت سے قوم و ملت کو ایک زندہ

پیغام دینے میں آپ طاق ہیں۔آپ کی علمی،فکری اور پیغام کی حامل کاوشوں میں جاوید نامہ کا وہ حصہ سرفہرست اورنمایاں طور پر آتا ہے جو ٹیپو سلطان شہید سے متعلق ہے اور کیوں نہ ہو یہ شہید بے مثل تھا بھی اس قابل۔

علامہ اقبال نے دیار ٹیپو اور سرزمین سرکار خداداد میں قدم رنجہ فرما کر ایسا محسوس کیا گویا ان کے خوابوں کی تعبیر مل گئی ہو۔ان کے جوہری قلم نے جہاں ٹیپو سلطان شہید کی جانبازی، جوانمردی اور شجاعت سے متاثر ہوکر رشک واغتباط کے زمزمے چھیڑے ہیں۔وہیں امت کی حالت زبوں وناگفتہ بہ پر اشک ریزی اور گلہ وشکوہ بھی کیا ہے اور اس کے ذریعہ نفوس امت کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور دیدہ عبرت نگاہ کو اس کا مشاہدہ کرنے پر ابھارا ہے۔علامہ اقبال نے اس شیر میسور شہادت کا حقیقی نمونہ قرار دیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ سلطان شہید نے دکھا دیا کہ عشق کیا ہے اور اس کو کیوں کر عملی جامہ پہنا کر انسان خود کو حیاتِ جاودانی سے ہمکنار کرسکتا ہے۔

علامہ اقبال دریائے کاویری کو ٹیپو سلطان کے خطاب کا مخاطب بناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے کاویری تو سست خرام کیوں ہوگئی؟ دراصل یہ امت کی سستی کی طرف اشارہ وتلمیح ہے کہ امت کی رگوں میں وہ لہو اب باقی کیوں نہیں رہا جو حوصلہ مندی کا پتہ دیتا ہے۔بزدلی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ زندگی جو محکومیت وغلامی سے تعبیر ہو زندگی کی نہیں بلکہ موت سے بدتر کوئی شئے ہے اس کے برعکس شجاعت وجوانمردی کی ایک لمحہ کی زندگی حیات جاودانی ہے اور شہید کی موت اس کی زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ اس کی زندگی کا آغاز ہی وہاں سے ہوتا ہے جو ایک مردحر ومردمومن کا طرۂ امتیاز اور مقصود ومطلوب ہے۔علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں اس پیغام کو جو کئی ضخیم کتابوں کا متقاضی تھا اور جس کو بیان کرنے کے لیے صفحات کے صفحات درکار تھے بڑی ہی حسن وخوبی کے ساتھ دریا بہ کوزہ کی مثال سمیٹ کر رکھ دیا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ تشنگی باقی نہیں رہی۔

علامہ اقبال نے جاوید نامہ کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیا ہے اور یہ واقعی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خود جاوید نامہ کا ماحصل جاوید نامہ کا وہ حصہ ہے جو سلطان شہید سے متعلق ہے۔بالفاظ دیگر جاوید نامہ اقبال کی علمی کاوشوں کا نگینہ ہے اور خود جاوید نامہ کا نگینہ یہ موخرالذکر حصہ ہے۔ایک قابل غور وبیان نکتہ یہ بھی ہے کہ علامہ تمام مشاہیر سے افلاک قمر،عطارد،زہرہ،مریخ،مشتری،زحل یا آنسوئے افلاک پر ملتے ہیں لیکن سلطان سے ان کی ملاقات کائنات کی حدود سے باہر بے جہت جنت الفردوس میں منتہیٰ درجے پر ہوتی ہے اور اس کے بعد حوران بہشتی سے مل کر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوتے ہیں۔اس سے یہ امر اظہر من الشّمس کی طرح واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کو سلطان شہید سے کس درجہ عقیدت تھی اور اس عقیدت کا سبب وہ عظمت سلطان تھی جس نے علامہ کے دل میں نہ صرف گھر بنا لیا تھا بلکہ وہ ان کے ذہن ودماغ،احساسات وجذبات اور افکار وخیالات کے ساز پر مسلسل نغمہ سرائی کر رہی تھی۔یہ وہ ساز تھا جس کا اظہار علامہ کے جوہری قلم

نے جاوید نامہ کے اس مذکورہ حصہ کی شکل میں کیا اور اس طرح جاوید نامہ کو زندۂ جاوید بنا دیا۔

علامہ اقبال نے فارسی کے علاوہ ٹیپو سلطان شہید پر اردو میں بھی ایک نظم لکھی ہے جو ''ٹیپو سلطان کی وصیت'' کے عنوان سے آپ کے مجموعہ کلام ضرب کلیم میں شامل ہے اس میں بھی علامہ اقبال نے الفاظ کا وہی جادو جگایا ہے جو آپ کا جوہرِ فطری ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

تو رہ نورد شوق ہے ! منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز!
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں
محفل گداز گرمی محفل نہ کر قبول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرائیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے ، حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

❁❁❁❁

حواشی

۱۔ برنی، سید مظفر حسین، کلیات مکاتیب اقبال جلد دوم، اردو اکادمی دہلی، ص ۴۲۵

۲۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، (مرتب) متعلقات خطبات اقبال، مضمون ''علامہ اقبال کا جنوبی ہند کا سفر'' از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، ص ۱۹۔

۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود جلد سوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۳۴۸۔

۴۔ مسلم لائبریری بنگلور میں محفوظ اپنی یادداشت کی فائل میں محمد صالح انصاری مرحوم نے علامہ اقبال کے اس خط کو نقل کیا ہے۔

۵۔ چغتائی، ڈاکٹر محمد عبداللہ، اقبال کی صحبت میں، ص ۳۳۴۔

۶۔ روزنامہ الکلام بنگلور مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۲۹ء

۷۔ چغتائی، ڈاکٹر محمد عبداللہ اقبال کی صحبت میں، ص ۳۳۶، متعلقات خطبات اقبال، ڈاکٹر سید عبداللہ، ص ۳۸

۸۔ روزنامہ الکلام بنگلور مورخہ ۱۴/جنوری ۱۹۲۹ء

۹۔ ماہنامہ نشتر بنگلور اقبال نمبر فروری ۱۹۷۸ء مضمون بعنوان ''علامہ ڈاکٹر اقبال کی رفاقت میں چند روز از کلیم الملک سید غوث محی الدین ایڈیٹر روزنامہ الکلام بنگلور ص ۱۲

۱۰۔ روزنامہ الکلام بنگلور مورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۹ء ہفتہ وار قوم معسکر بنگلور اقبال نمبر مورخہ ۷/جون ۱۹۳۸ء۔ ماہنامہ نشتر بنگلور اقبال نمبر فروری ۱۹۷۸ء

۱۱۔ تاج محمود، محمود خان، تاریخ سلطنت خداداد، ص ۵۱۹۔

۱۲۔ تاج، محمود خان محمود، ص ۶۱

۱۳۔ کتاب نما، دہلی مئی ۱۹۸۵ء، ص ۳۴، مگر اس کا آغاز اوائل ۱۹۲۹ء میں ہوا۔ نیرنگ خیال اقبال نمبر ستمبر اکتوبر ۱۹۳۳ء، ص ۲۰۱۔

۱۴۔ عطا اللہ، شیخ (مرتب) اقبال نامہ حصہ دوم، ص ۳۸۸، کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم، سید مظفر حسین برنی، ص ۴۷، علامہ اقبال کی زندگی کا یہ ماحصل اپریل ۱۹۳۱ء میں اختتام پذیر ہوا اور فروری ۱۹۳۲ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آیا۔، کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم، ص ۱۹۸/اور ۲۷۰۔

۱۵۔ برنی، سید مظفر حسین، کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم، ص ۵۶۔

۱۶۔ مکتوب محررہ ۱۸/فروری ۱۹۲۹ء، کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم، ص ۵۴۔

۱۷۔ مکتوب محررہ ۲۴/اگست ۱۹۲۹ء کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم۔ص ۴۷۔

۱۸۔ مکتوب محررہ ۴/نومبر' کلیات مکاتیب اقبال جلد سوم۔

۱۹۔ مکتوب بنام ڈاکٹر ناموس شجاع منعمی محررہ ۲۰/جنوری ۱۹۳۱ء۔ کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم۔ص ۱۸۹۔

۲۰۔ برنی، سید مظفر حسین، کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم، مکتوب بنام ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین، محررہ ۱۳/مارچ ۱۹۳۱ء، ص، ۳۳۸۔

۲۱۔ برنی، سید مظفر حسین، کلیات مکاتیب اقبال، جلد چہارم، ص ۱۴۱۔مکتوب بنام ضرار احمد کاظمی، محررہ ۲۵/جون ۱۹۳۵ء

۲۲۔ برنی، سید مظفر حسین، کلیات مکاتیب اقبال، جلد چہارم، ص ۲۷۲۔مکتوب بنام ضرار احمد کاظمی، محررہ ۱۸/اپریل ۱۹۳۸ء،

۲۳۔ برنی، سید مظفر حسین، کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم، مکتوب بنام ایڈورڈ تھامس، محررہ ۲۹/جولائی ۱۹۳۳ء۔ص ۳۶۶۔

۲۴۔ برنی، سید مظفر حسین، کلیات مکاتیب اقبال، جلد سوم، مکتوب بنام بی بی آمنہ، محررہ ۳۰/جولائی ۱۹۳۴ء۔ص ۵۴۳۔

۲۵۔ نیازی، سید نذیر، مکتوبات اقبال، ناشر، اقبال اکادمی پاکستان، ص ۳۵۸۔